ISSN:3007-3324 (P) Tashkeel-e-Jadeed Volume:3, Issue:2, January to June 2026
ISSN-3007-3316 (E) Email: tashkeele.jadeed@aiou.edu.pk

☆ڈاکٹر محمد رمضان طاہر
☆ڈاکٹر بصیرہ عنبرین

# علامہ اقبال کی شاعری میں، مشاہیر کشمیر کی فکری و تہذیبی معنویت

# The intellectual and cultural significance of Kashmiri famous personalities in Allama Iqbal's poetry

**Abstract:** Allama Muhammad Iqbal's poetry reflects a profound intellectual, spiritual, and civilizational engagement with Kashmir and its eminent personalities. This study, titled "The Intellectual and Cultural Significance of Kashmiri Luminaries in Iqbal's Poetry," explores how Iqbal presents the spiritual, literary, and political figures of Kashmir as symbols of Islamic revival, selfhood, moral courage, and cultural continuity. The article analyzes Iqbal's references to distinguished Kashmiri personalities including Shah-e-Hamdan, Sheikh Noor-ud-Din Wali, Sultan Shahabuddin, Ghani Kashmiri, Muhammad Din Fauq, and Ghulam Ahmad Mehjoor to demonstrate how these figures embody the ethical and spiritual ideals central to Iqbal's philosophy. The study argues that Iqbal did not view Kashmir merely as an ancestral homeland or geographical territory; rather, he regarded it as a living center of intellectual and spiritual tradition. Through poetic symbolism and philosophical reflection, Iqbal connects the legacy of Kashmiri saints, scholars, rulers, and poets with the broader vision of Muslim renaissance and collective awakening. The research concludes that the mention of Kashmiri luminaries in Iqbal's poetry carries deep ideological and cultural significance, serving as a source of inspiration for identity, freedom, and spiritual regeneration in the Muslim world.

**Keywords:** Kashmiri Luminaries, Iqbal's Poetry, Cultural Consciousness, Muslim Renaissance,

برصغیر کی علمی و تہذیبی تاریخ میں ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔ اقبال ایک ایسے مفکر اور مجدد کی حیثیت رکھتے ہیں جنھوں نے نہ صرف اپنے عہد کی روح کو آواز دی بلکہ ملت اسلامیہ کے لیے ایک ہمہ گیر فکری و علمی نصب العین بھی فراہم کیا۔ ان کی شاعری میں جہاں آفاقیت ہر جگہ

☆اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اردو، اسلامیہ یونیورسٹی، بہاول پور Email: ramzan.tahir@iub.edu.pk
☆پروفیسر، ادارہ ادبیات و زبان اردو، پنجاب یونیورسٹی، اورینٹل کالج، لاہور Email:baseera.iull@pu.edu.pk

جلوہ گر ہے وہاں اسلامی تاریخ کی درخشاں روایات بھی اپنی پوری آب و تاب سے نظر آتی ہیں۔ اس درخشاں روایت کے اہم ترین مظاہر میں کشمیر کی صدیوں پر محیط علمی و روحانی تاریخ بھی آپ کی فکر کا ایک اہم حصہ ہے جسے اقبال نے نہ صرف اپنی شاعری میں جگہ دی بلکہ اسے ملت کی نشاۃ ثانیہ کے ساتھ بھی مربوط کیا۔

علامہ اقبال کی فکر اور شاعری کے افق پر کشمیر محض ایک جغرافیائی یا نسلی نسبت کے طور پر ظاہر نہیں ہوتا بلکہ ایک تہذیبی، روحانی اور علمی علامت کے طور پر جلوہ گر ہے۔ اقبال کی شاعری کے ساتھ وابستگی اس خطے سے نسبت ہونے کی وجہ سے محض جذباتی نہیں تھی۔ اقبال نے کشمیر کو اس کے حسن کے ساتھ ساتھ اس کی صوفیانہ روایات اور مشاہیر کے ذریعے دیکھا، سمجھا، اور یہی پہلو ان کے کلام میں کشمیری بزرگوں اور اہل علم کے ذکر کو غیر معمولی معنویت عطا کرتا ہے۔ اقبال کے نزدیک کشمیر کی سرزمین ایسی تھی جس نے صوفیا کے ذریعے انسان دوستی، قوت، سادگی اور روحانی بالیدگی کے پیغام کو عام کیا۔ یہی وہ عناصر تھے جو اقبال کے تصورِ خودی اور ان کے پیغامِ عمل و عشق کے ساتھ فطری ہم آہنگی رکھتے تھے۔ کلامِ اقبال میں اکثر جگہوں پر مشاہیر کشمیر کا ذکر اس امر کی شہادت ہے کہ وہ اس خطے کی روحانی روایات کو محض ایک مقامی یا علاقائی حوالہ نہیں سمجھتے بلکہ اسے ملتِ اسلامیہ کی ہمہ گیر تاریخ کے ساتھ جوڑتے ہیں۔ مشاہیر کشمیر کا ذکر ان کے کلام میں ایسے جلوہ گر ہے کہ وہ محض شاعرانہ تلمیح نہیں رہتا بلکہ ایک فکری اور روحانی تسلسل کا مظہر بن جاتا ہے۔

علامہ اقبال کا تعلق کشمیر کے معاصر اہل علم و دانش سے بھی خاصا گہرا تھا۔ ان کی خط و کتابت، علمی نشستیں اور ذاتی مراسم اس حقیقت کو آشکار کرتے ہیں کہ اقبال کشمیری مشاہیر کو صرف ماضی کی تاریخی ہستیوں کے طور پر نہیں دیکھتے تھے بلکہ ان کے ساتھ براہِ راست فکری تبادلے بھی رکھتے تھے۔ یہ روابط اقبال کی اس فکری پختگی کے ضامن ہیں جن میں ان کے لیے کشمیر ایک زندہ روایت کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ بات اس پہلو کو مزید نمایاں کرتی ہے کہ اقبال کی شاعری میں کشمیری مشاہیر کا ذکر صرف نسلی یا آبائی فخر کا اظہار نہیں ہے بلکہ ایک شعوری اور علمی وابستگی کا نتیجہ ہے۔ اقبال نے کشمیر کے بزرگ صوفیا، علما اور اہل دانش کی روایات کو محض ماضی کی میراث کے طور پر قبول نہیں کیا بلکہ اسے مستقبل کی تعمیر اور امت کی نشاۃ ثانیہ کے لیے ایک فعال احساس کے طور پر دیکھا ہے۔

کشمیر کے بزرگ صوفیا جنہوں نے سادگی، قربانی اور عشق کی اقدار کو پروان چڑھایا، اقبال کے نزدیک وہی اقدار جدید مسلمانوں کے لیے رہنما بن سکتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے کلام میں جب بھی کشمیری مشاہیر کا ذکر آتا ہے وہ ایک بڑے فکری اور تہذیبی تناظر میں نظر آتا ہے۔ ذیل میں اس کا تذکرہ کیا جاتا ہے تاکہ علامہ اقبال کی کشمیر سے وابستگی کا بخوبی اندازہ ہو سکے۔

1. شاہ ہمدان (۱۳۸۴ء–۱۳۱۴ء):

کلام اقبال میں جن کشمیری بزرگوں کا ذکر ملتا ہے، ان میں حضرت سید علی ہمدانی کا نام سرفہرست ہے۔

اقبال نے جاوید نامہ میں حضرت شاہ ہمدان کا تعارف ان الفاظ میں کرایا ہے:

سیدُ السادات سالارِ عجم — دستِ او معمارِ تقدیرِ امم

ISSN:3007-3324 (P) Tashkeel-e-Jadeed Volume:3, Issue:2, January to June 2026
ISSN-3007-3316 (E) Email: tashkeele.jadeed@aiou.edu.pk

تا غزالی درسِ اللہ ہو گرفت  ذکر و فکر از دودمانِ او گرفت
مرشدِ آں کشورِ مینو نظیر  میر و درویش و سلاطین را مشیر
خطہ را آں شاہِ دریا آستین  داد علم و صنعت و تہذیب و دیں(۱)

ترجمہ:

(حضرت سید علی ہمدانی سیدوں کے سردار اور عجم کے سالار ہیں۔ آپ حقیقت میں امتوں کی تقدیر کے معمار تھے۔ ان کے خانوادے سے امام غزالی جیسے بزرگوں نے علم و روحانی فیض حاصل کیا۔ شاہ ہمدان نے وادیٔ کشمیر کو نہ صرف اسلام کی ضیا سے منور کیا بلکہ اسے تہذیبی، علمی اور تمدنی ثروت سے بھی بہرہ مند کیا۔ وہ بیک وقت مرشدِ کامل، درویش صاحبِ کمال اور سلاطین کے مشیر تھے)۔

"جاوید نامہ" میں اقبال سیرِ افلاک کے دوران حضرت شاہ ہمدان سے سوال کرتے ہیں کہ اگر خدا کی مرضی یہ تھی کہ انسان اس کی اطاعت کرے تو پھر اس نے شیطان کو کیوں پیدا کیا؟ شاہ ہمدان اقبال کو سمجھاتے ہیں کہ شیطان کی پیدائش کا مقصد انسان کو گمراہ کرنا نہیں بلکہ اس کی پوشیدہ قوتوں کو بیدار کرنا ہے۔ جیسے تلوار سان سے مخالف سمت ٹکرانے سے تیز ہوتی ہے، ویسے ہی انسان شیطان کی مخالفت کے ذریعے کامل اور مضبوط بنتا ہے۔ اصل برائی شیطان نہیں بلکہ اس سے دوستی ہے، جبکہ اس کے خلاف جدوجہد انسان کو خدا کا حقیقی بندہ بناتی ہے۔ اقبال کے استفسار پر شاہ ہمدان مسلمانوں کے زوال کا سبب یہ بتاتے ہیں کہ وہ روحانی شعور سے غافل ہو کر محض جسمانی زندگی کے اسیر بن گئے ہیں، حالانکہ انسان کی حقیقت روح ہے اور جسم اس کے لیے محض ایک عارضی قید خانہ ہے۔ عزت اور بقا اس میں ہے کہ مسلمان اپنی جان کو اللہ کی راہ میں قربان کرنے کے لیے تیار ہو۔ موت سے فرار ممکن نہیں؛ جو شخص موت سے ڈرتا ہے وہ دراصل زندگی کھو دیتا ہے، اور جو جان دے دیتا ہے وہ حقیقی اور ابدی حیات حاصل کر لیتا ہے۔ کلیم اختر "اقبال اور مشاہیر کشمیر میں لکھتے ہیں": "حضرت شاہ ہمدان سید علی ہمدانی کے نام سے مشہور تھے۔ آپ ۱۲ رجب المرجب ۱۴ء مطابق ۱۳۱۴ عیسوی ہمدان میں پیدا ہوئے۔"(۲)

شاہ ہمدان ایک بہت بڑے صوفی، عالم اور مصلح تھے۔ آپ تین بار کشمیر آئے۔ آپ کی تبلیغ سے ہزاروں لوگوں نے اسلام قبول کیا۔ آپ کے ساتھ آنے والے ہنر مندوں نے وادیٔ کشمیر میں اسلامی تہذیب کو مضبوط کیا۔ سری نگر کی خانقاہِ معلیٰ آج بھی آپ کی یادگار ہے۔ کلیم اختر کے مطابق:

"حضرت میر سید علی ہمدانی، حضرت علی کرم اللہ وجہہ، شیر خدا کی اولاد میں سے تھے۔ آپ کے والدِ بزرگوار کا نام سید شہاب الدین تھا، اور سلسلۂ نسب سولہ پشتوں سے حضرت علی ابنِ طالبؓ سے ملتا ہے۔"(۳)

حضرت سید علی ہمدانی بنیادی طور پر ایک صاحبِ دل، دردمند عالمِ دین اور اصلاحِ خلق کے منصب پر فائز رہے۔ یہی جذبۂ اخلاص انہیں ہمدان سے کشمیر لے آیا۔ یہاں نہ صرف اسلام کی روشنی عام کی بلکہ اس خطے کی تہذیبی اور فکری افق کو بھی نئی جہت عطا کی۔ اگرچہ ان سے قبل بھی اس خطے میں دینِ حق کا تعارف کسی حد تک موجود تھا، لیکن اسے اجتماعی سطح پر قبولِ عام دلانے کا سہرا انہی کے سر ہے۔ اسی خدمتِ دین کے باعث انہیں کشمیر میں بانیٔ مسلمانی اور شاہ ہمدانی کے معزز القابات سے یاد کیا جاتا ہے۔ حضرت شاہ ہمدان کی شخصیت کئی پہلوؤں سے اہم ہے، مگر ان کی تمام فکری و علمی جہاد دراصل ان کی داعیانہ شخصیت کے تابع ہیں۔ ان کی شاعری میں لطافت، نورانیت اور معنوی گہرائی ملتی ہے۔ حضرت شاہ ہمدان سے علامہ اقبال کی محبت کا اندازہ اس

لیے والہانہ ہے کہ حضرت شاہھد ان کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس سے گہری محبت ہے۔ ان کے مطابق:

"علم، بردباری، حیا، سخاوت، تقویٰ، شجاعت، عدل، صبر، صدق اور یقین یہ تمام صفات اپنے پورے کمال کے ساتھ صرف ایک ذات میں ظاہر ہوتی ہیں، اور وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات ہیں، ان اولیاء، صالحین اور علمائے دین میں سے جو کوئی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانیت سے جتنا زیادہ روحانی تعلق رکھتا ہے، وہ اتنا ہی زیادہ ان صفات سے متصف ہوتا چلا جاتا ہے، اور یہی تعلق بارگاہِ رب العزت میں بلند مقام پر فائز ہوتا ہے اور عنایت ربانی کا مستحق قرار پاتا ہے۔"(۴)

حضرت شاہھد ان کی تصنیف چہل اسرار ان کی گرانقدر یادگاروں میں شمار ہوتی ہے جس نے برصغیر کی فکری اور تہذیبی فضا کو نئی معنویت دی۔ اس کے علاوہ "ذخیرۃ الملوک"، "منہاج العارفین"" اور او فتحیہ" ان کے باطنی عرفان اور روحانی کشف کی آئینہ دار ہیں۔ حضرت شاہھد ان اپنی اصل میں ایک مجاہد، درد آشنا، عالم دین اور انسان دوست شخص تھے۔ ان کے اخلاص کا ہی ثمر تھا کہ وطن ان کو چھوڑ کر کشمیر کے پہاڑوں اور وادیوں میں آئے، جہاں انہوں نے نہ صرف اسلام کا نور پھیلایا بلکہ کشمیر کے تمدن، رہن سہن اور اجتماعی شعور کو بھی نئی روشنی بخشی۔ اگرچہ کشمیر میں اسلام کا تعارف ان سے پہلے موجود تھا، مگر اسے اکثریتی مذہب کی حیثیت دلانے میں ان کی جدوجہد فیصلہ کن ثابت ہوئی۔ اقبال نے شاہھد ان کو ان صوفیا میں شمار کیا ہے جنہوں نے معاشرے کی تہذیبی تشکیل میں غیر معمولی کردار ادا کیا ہے۔ ان کے نزدیک شاہھد ان نہ صرف ایک مرشد کامل تھے بلکہ تہذیبی معمار کا درجہ بھی رکھتے تھے جنہوں نے ایران صغیر، یعنی کشمیر، کو علم، صنعت، اخلاق اور دین کی روحانی روشنی عطا کی۔ آپ کی تعلیمات سے نہ صرف کشمیر کا عام آدمی فیض یاب ہوا بلکہ سلطان قطب الدین، جو اپنے دور کا فرمانروا تھا، وہ شاہھد ان کی صحبت سے اس قدر متاثر ہوا کہ اس نے آپ کی عطا کردہ دستار کو اپنے شاہی تاج کا حصہ بنا لیا۔ اعجاز الحق قدوسی، اقبال لکھتے ہیں: "اس خاندان کے فرمانرواؤں میں "یہ کلاہ نسلاً بعد نسل "فتح شاہ کے زمانے تک تاج کی زینت رہی۔"(۵)

علامہ اقبال کے نزدیک برصغیر میں کشمیر جغرافیائی اعتبار سے وہ خطہ ہے جہاں اسلام کسی جبر، طاقت یا زور سے نہیں پھیلایا گیا بلکہ شاہھد ان کی پرخلوص محنت، تبلیغ اور ہجرت کے نتیجے میں پروان چڑھا ہے۔ ان بزرگوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام کو ان سرزمینوں تک پہنچانے کے لیے وطن اور گھر بار تک چھوڑا، پھر اللہ نے ان کو بہترین کامیابی عطا کی۔ علامہ اقبال نے شاہھد ان کے حوالے سے خیر و شر کے فلسفے، امتِ مسلمہ کے اتحاد و اشتراک اور کشمیری مسلمانوں کے جذبۂ حریت کو نہایت مؤثر انداز میں اجاگر کیا۔ اقبال نے کشمیریوں کو شاہھد ان کے الفاظ میں یہ پیغام دیا ہے:

فاش گویم با توا ے والا مقام
بایک جذبہ دو کس دادن حرام "(۶)

2. شیخ نور الدین رشی (۱۴۴۰ء–۱۳۷۷ء):

سنسکرت لفظ "رشی" بنیادی طور پر "راکھی" سے ماخوذ ہے، جس کے اندر عبادت، ریاضت، پاکیزگیٔ نفس اور الہامی ہدایات کا تصور موجود

ہے۔ کشمیر کی روحانی روایت میں رشی "ایسے انسان کو کہتے ہیں" جو دنیا کی لذتوں سے کنارہ کش ہو کر سادگی، قناعت اور تجرد کی زندگی اختیار کرے۔ ترکِ علائق، تنہائی اور نفسانی خواہشات پر ضبط ان کی امتیازی نشانیاں تھیں۔ رشی فطرت کے قریب رہتے، پھل دار درخت لگاتے، عوام کی بھلائی کے کام کرتے اور اپنی خوراک میووں، جڑی بوٹیوں اور درختوں کے پتوں تک محدود رکھتے تھے۔ عبد الاحد آزاد، کشمیری زبان اور شاعری میں لکھتے ہیں:

> "رشی" اصلاً ایک سنسکرت لفظ ہے جس کے معنی تارکُ الدنیا، دنیا سے بے رغبت عابد کے ہیں۔ حضرت رشی غاروں اور جنگلوں میں رہ کر خدا کی عبادت میں وقت گزارتے تھے۔ نفس کُشی، زہد و تقویٰ، ترکِ علائق اور تنہا نشینی رشیوں کی خصوصیات ہیں۔ حضرت نور الدین انہی بزرگوں میں سے ایک برگزیدہ ہستی ہیں۔ "ریشیانِ کشمیر" میں انہیں ممتاز درجہ حاصل ہے۔"(۷)

شیخ نور الدین کی خاندانی نسبت کشتواڑ کے ایک مقامی راجہ خاندان سے ملتی ہے۔ شیخ نور الدین ولی رشی کو کشمیری مسلمان "علمدارِ کشمیر" اور "ہندو نند رشی" کے ناموں سے یاد کرتے ہیں۔ آپ کا شمار نہ صرف کشمیر کے اولین اولیاءعظا م میں ہوتا ہے بلکہ آپ کا نام کشمیری زبان کے اولین شعرا میں بھی سرفہرست ہے۔ "نور الدین رشی، جمعرات چھ جمادی الاولیٰ ۷۷۹ھ میں پیدا ہوئے۔"(۸)

کشمیری تصوف میں شیخ نور الدین ولی رشی کو غیر معمولی مقام حاصل ہے۔ انھیں نہ صرف روحانی پیشوا بلکہ کشمیری زبان کی ابتدائی شعری روایت کا بنیاد گزار سمجھا جاتا ہے۔ علامہ اقبال کے موثِ اعلیٰ بابا نصیر الدین (متوفی ۱۴۵۱ء) شیخ نور محمد کے خلیفۂ مجاز تھے، جس سے دونوں خانوادوں کے درمیان ایک روحانی اثر قبول کیا جاتا ہے۔ لیکن اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ اقبال کے تصورِ خودی کی تشکیل میں کشمیر کی اس روحانی فضا اور شیخ نور الدین ولی رشی کی روشن فکر کا کچھ نہ کچھ حصہ ضرور شامل رہا ہو۔ خودی کی آگاہی میں اقبال جس باطنی آگاہی پر زور دیتے ہیں، اس کی جھلک شیخ نور الدین رشی کے ہاں بھی ملتی ہے۔ ان کا کشمیری زبان میں ایک شعر ہے:

سیدہ وندور ہتھ صاحب گورم
اوہ پرزہ نو دمہ ... روح"(۹)

ترجمہ: (میں نے دنیا کے سب تعلقات، الجھنوں اور خواہشات سے کنارہ کر دیا ان سب کو ایک طرف رکھ دیا۔ جب میں نے اپنے دل کو ہر غیر سے خالی کر کے صرف خدا کو ڈھونڈا تو اس تلاش میں مجھے اپنی اصل حقیقت اور باطنی پہچان حاصل ہو گئی۔)

علامہ اقبال نے نور الدین رشی ولی کی فکر سے کتنا استفادہ کیا، یہ ایک الگ بحث ہے، مگر اقبال نے اپنے چوتھے خطبے میں خلوت پسندی کو خودی کی یکتائی کا اظہار ضرور قرار دیا ہے۔ شیخ نور الدین ولی رشی کے بارے میں اقبال اپنے بڑے بھائی شیخ عطا محمد کو ۱۵ اکتوبر ۱۹۲۵ء کے ایک خط میں لکھتے ہیں:

> "آپ اور والدِ مکرم یہ سن کر خوش ہوں گے کہ مدت کی جستجو کے بعد آج اپنے بزرگوں کا سراغ مل گیا۔ حضرت بابا لول حج کشمیر کے مشہور مشائخ میں سے تھے۔ ان کا ذکر خواجہ اعظم کی تاریخ کشمیر میں اتفاقاً مل گیا ہے۔ والدِ مکرم نے جو کچھ اپنے بزرگوں سے سنا تھا، وہ بحیثیتِ مجموعی درست ہے۔ ان کا اصل گاؤں "نوچہ" نہیں تھا بلکہ موضع "چکو پر گنہ ادرن" تھا۔ بارہ سال کشمیر سے باہر رہے اور ممالک کی سیر میں مصروف رہے۔ بیوی کے ساتھ

ان کے تعلقات اچھے نہ تھے، اس واسطے ترکِ دنیا کر کے کشمیر سے نکل گئے۔ واپس آنے پر اشارۂ غیبی پا کر حضرت بابا نصیر الدین کے مرید ہوئے، جو حضرت نور الدین ولی کے مرید تھے۔ بقیہ عمر انہوں نے بابا نصیر الدین کی صحبت میں گزاری اور اپنے مرشد کے جوار میں مدفن ہوئے۔ اب امید ہے کہ مزید حالات معلوم ہو جائیں گے۔"(۱۰)

علامہ اقبال کو اپنے اجداد کا سراغ تو مل گیا، لیکن ان کے شیخ نور الدین رشی کے افکار سے متاثر خیال کرنا مشکل ہے، کیونکہ اقبال اس کشمیری تصوف کے حق میں نہیں تھے جو محض خانقاہی رسم و رواج تک محدود ہو کر رہ گیا ہو۔ ان کے نزدیک یہی قبروں سے وابستگی اور خانقاہی جمود کشمیریوں میں کمزوری اور خوف کا باعث تھا۔ اقبال ترکِ دنیا، انکارِ دنیا اور محض ریاضت اور چلّوں پر مبنی طرزِ فکر کے بھی مخالف تھے۔ اس کے باوجود ایک پہلو ایسا ضرور تھا جس میں وہ اور شیخ نور الدین رشی ہم خیال دکھائی دیتے ہیں؛ یہ دونوں حضرات ملاؤں کی ذہنی تنگی اور ظاہر داری کے شدید مخالف تھے۔ اقبال نے اپنے اشعار میں یہ واضح کیا ہے کہ اگر مقصد قوم کو دین کی تبلیغ دینا ہے تو دنیا کا درس ہرگز نہ دیا جائے، ورنہ قوم بے عمل اور کمزور ہو جاتی ہے۔ اسی طرح اقبال اس رشیانہ فاقہ کشی سے اس طلسم کے ختم نہ ہونے کا شکوہ کرتے ہیں جس نے مسلمانوں کو بے عمل بنا دیا ہے۔ شیخ نور الدین رشی کے نزدیک حقیقی عالم وہ ہے جو مولانا جلال الدین رومی کی طرح باطن کی روشنی، فہمِ دین اور عملی حکمت کو یکجا رکھتا ہو۔ ان کے نزدیک علم کی حقیقت ظاہری خطابت یا رسمی ملائیت میں نہیں بلکہ اس وسعتِ نظر اور روحانی ادراک میں ہے جو رومی کے طرزِ فکر میں جھلکتی ہے۔ اقبال رشیانہ طرزِ فکر پر تنقید کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ:

رشی کے فاقوں سے ٹوٹا نہ برہمن کا طلسم
عصا نہ ہو تو کلیمی ہے کارِ بے بنیاد (۱۱)

شیخ نور الدین رشی اور اقبال کے ہاں اگرچہ زمانی اور لسانی فاصلہ ہے، مگر ان کے افکار کی روح ایک دوسرے سے ملتی ہے۔ دونوں نے انسان کی تربیت، روحانی بیداری اور سماجی اصلاح کو مقصدِ حیات قرار دیا ہے اور ظاہر بین ملاؤں، جاہل پیشواؤں اور جمود پھیلانے والے مذہبی طبقے پر سخت تنقید کی ہے۔ نور الدین رشی نے جاہلوں اور بد عمل لوگوں کی صحبت کو تباہی کا سبب بتایا ہے، تو اقبال نے بھی زاغ سنگت کو شاہی مزاج کے لیے نقصان دہ قرار دیا ہے۔ اسی طرح رشی نے اس صوفیانہ زوال کا رونا رویا ہے جس میں ایمان چوروں کی دست برد اور جعلی پیشوائیت کی نظر ہو جاتا ہے۔ اقبال نے اس کیفیت کو ملوکانہ مذہب کی غلامی سے تعبیر کیا ہے۔ دونوں بزرگوں کے ہاں اصل معیار وہی روحانی بلندی، عملی صداقت اور رومی جیسی وسعتِ نظر ہے جو انسان کو مردہ روایتوں سے نکال کر حق اور خودی کے راستے پر ڈالتی ہے۔

3. سلطان شہاب الدین (۱۳۶۵تا۱۳۲۵ء):

عمر ہا گل رخت بربست و کشاد
خاکِ ما دیگر شہاب الدین نزاد (۱۲)

صدیوں سے پھول کھلتے اور مرجھاتے رہے ہیں، مگر ہماری اس سرزمین سے کوئی اور شہاب الدین پیدا نہ ہوا۔ یہ خراج علامہ اقبال نے جاوید نامہ میں سلطان شہاب الدین کو پیش کیا۔ کشمیر کے مختلف سلاطین نے کشمیر میں اسلامی تہذیب، تمدن اور علمی و ثقافتی روایات کے فروغ میں کردار ادا کیا۔ ان میں سے

سلطان شہاب الدین کا نام نمایاں ہے۔ وہ نہ صرف اسلام سے گہری محبت رکھنے والے حکمران تھے بلکہ ایک بہادر سپہ سالار، عادل حکمران اور اہل بصیرت فرماں روا تھے۔ یہ حقیقت مسلم ہے کہ جغرافیائی سرحدوں کی وسعت اور سیاسی استحکام میں سلطان شہاب الدین کی شجاعت اور حکمت عملی نے مرکزی کردار ادا کیا۔ اقبال نے سلطان شہاب الدین کی دینی فضیلت، علمی مقام، عدل پسندی اور بہادری کا اعتراف کیا ہے۔ اقبال کا درج بالا شعر اسی عظمت کی طرف اشارہ ہے کہ زمانہ گزر گیا، موسم بدلے، نسلیں آئیں اور چلی گئیں، مگر شہاب الدین جیسا مرد مجاہد دوبارہ پیدا نہ ہو سکا۔ قاضی ظہور حسن "نگارستان کشمیر" میں لکھتے ہیں:

> "اسی زمانے میں حضرت امیر کبیر سید علی ہمدانی کی کشمیر میں تشریف آوری ہوئی۔ آپ ہی کے فرمان کے مطابق سلطان نے فروز شاہ تغلق سے صلح کی تھی۔ سلطان شہاب الدین کے عہد میں گلگت، تبت، بدخشان، کابل، اشغر، جموں وغیرہ کی تسخیر اہم کارنامہ ہے۔" (۱۳)

سلطان قطب الدین صرف تلوار کے دھنی ہی نہیں تھا بلکہ وہ ایک نرم دل رکھنے والا شاعر اور ذی علم حکمران بھی تھا۔ ان کے یہ اشعار ہیں:

اے بگرد شمع رویت عالمے پروانہ
وز لب شیریں تو شوریت در ہر خانہ
آشنا را حال ایں شد والے ہر بیگانہ
عیب نبود گر گناہے می کند دیوانہ (۱۴)

ترجمہ: (اگرچہ اس کے لب شیریں ہیں اور اس کی باتوں میں مٹھاس ہے، مگر یہ صرف ظاہر تک ہے۔ دل کی سچائی ہر گھر میں پہچانی نہیں جاتی۔ آج اس کی حالت یہ ہے کہ وہ اپنے لیے اجنبی اور بیگانہ بن گیا ہے۔ ایسی صورت میں اگر اس سے کوئی غلطی یا گناہ سرزد ہو جاتا ہے تو یہ کوئی تعجب کی بات نہیں، کیونکہ دیوانہ تو کبھی بھی خطا کر سکتا ہے)۔

شہاب الدین کی انھی خوبیوں کی وجہ سے علامہ اقبال نے کہا ہے کہ اب کشمیر کی مٹی نے شہاب الدین جیسے ذہین اور بہادر انسانوں کا جنم ترک کر دیا ہے۔ عنصر صابری لکھتے ہیں: "یہ سلطان بہادر، خلیق اور مدبر و منتظم تھا۔ جس دن کسی شہر کے فتح ہونے کی خبر نہ آتی، اس دن کو اپنے ایام زندگی میں شمار نہ کرتا۔" (۱۵) علامہ اقبال کشمیریوں کی مظلومیت و محکومیت کو عارضی تصور کرتے تھے۔ انھیں گمان تھا کہ ایک روز کشمیریوں کی غلامی کی زنجیریں ٹوٹیں گی۔ علامہ اقبال نے جاوید نامہ میں حضرت شاہ ہمدان اور سلطان شہاب الدین کے کردار، گفتار اور عمل کا تذکرہ کرتے ہوئے کشمیری عوام کو حریت کا درس دیا ہے۔ انہوں نے دعا کی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سرزمین کو پھر ایسے مرد مجاہد سے نوازے جو غلامی کی زنجیروں کو توڑے۔ سلطان شہاب الدین، جن کی اسلام دوستی، بہادری، اخوت اور مساوات کی روح نمایاں تھی، علامہ اقبال کے پسندیدہ مشاہیر کشمیر میں وہ نمایاں مقام رکھتے ہیں۔ ان جیسے اعلیٰ کردار لوگوں کے تذکرے سے دلوں میں زندگی کی رمق پیدا ہوتی ہے۔

4. غنی کاشمیری (۱۶۲۹ تا ۱۶۳۰ء):

علامہ اقبال نے پیام مشرق میں غنی کاشمیری کو ان الفاظ میں خراج تحسین پیش کیا ہے:

غنی آں سخن سنج گوئے بلبل صفیر

نو ا سنج کشمیر مینو نظیر(۱۶)

غنی وہ شاعر ہے جس کی آواز اور شاعری بلبل کے نغمے جیسی دلکش ہے۔ وہ جنت نظیر کشمیر کی طرف سے ایک بے مثال نغمہ گر ہے:

چواندر سرا بود دربستہ داشت

چو رفت از سرا تخت راو گزاشت "(۱۷)

ترجمہ: (جب وہ گھر کے اندر ہوتا ہے تو دروازہ بند رکھتا ہے اور جب گھر سے باہر نکل جاتا ہے تو دروازہ کھلا چھوڑ دیتا ہے۔)

"پیام مشرق" میں شامل اقبال نے اس نظم میں غنی کاشمیری کو اس طرح خراج عقیدت پیش کیا ہے کہ غنی کاشمیری کی اصل قیمتی ذات وہ خود ہیں۔ لوگ ان کی سادگی پر حیران ہوتے ہیں، مگر وہ بتاتے ہیں کہ ان کے گھر میں سب سے قیمتی چیز وہ خود ہیں۔ ان کا وجدان، ان کا نورِ فکر سب سے زیادہ قیمتی ہیں۔ ان کی موجودگی گھر کو رونق اور قدر بخشتی ہے اور ان کے باہر جاتے ہی گھر بالکل خالی ہو جاتا ہے۔ کشمیر میں فارسی گو شعراء میں جو مقام غنی کاشمیری کو ملا ہے وہ کسی اور کے حصے میں نہیں آیا۔ افسوس ہے کہ ایک طویل عرصے تک ناقدری، بے اعتنائی اور تذکروں کی جانبدارانہ غفلت نے اس عظیم شاعر کے کلام اور شخصیت کو پردہ گمنامی میں رکھا۔ وہ تحقیق و توجہ جو غنی کاشمیری کا حق تھی، اسے نہ مل سکی۔ تاہم ۱۹۱۹ء میں محمد اکبر خان نجیب آبادی نے اس طرف توجہ دی۔ انھوں نے غنی کے حالاتِ زندگی پر ایک کتابچہ لکھا، جس سے ان کے احوال و آثار پر روشنی پڑتی ہے۔ علامہ اقبال غنی کاشمیری کے ہمیشہ مداح رہے۔ وہ ان کی شخصیت، کردار اور فن سے زبردست متاثر تھے۔ انہوں نے جابجا اپنے کلام میں اشعارِ غنی کو استعمال کیا ہے اور غنی کاشمیری کے عنوان سے ایک نظم بھی لکھی ہے۔ جاوید نامہ میں علامہ اقبال نے غنی کی زبان سے اہل کشمیر کو انقلاب کا پیغام دیا ہے:

ایں مشت پر کجا و سرود ایں چنیں کجا

روح غنی است ماتمی مرگ آرزوئے

باد صبا اگر بہ جینوا گزر کنی

حرفے زمانہ مجلس اقوام باز گوئے

دہقان و کشت و جوئے و خیاباں فروختند

قومے فروختند وچہ ارزاں فروختند(۱۸)

"جاوید نامہ" میں علامہ اقبال کے حسنِ تخیل میں غنی کاشمیری کی روح ایک نازک پرندے کی صورت میں شاخِ گل پر متمکن دکھائی دیتی ہے۔ وہ حسرت آلودہ نالہ سناتی ہے کہ کشمیر کی مقدس خاک نے وہ جری اور صاحب سیرت فرمارواپیدا کرنا چھوڑ دیے ہیں جو کبھی اس خطے کی شان ہوا کرتے تھے۔ یہ درد انگیز فغاں اقبال کے دل پر یوں گزری کہ وہ بہت دیر تک مغموم رہے۔ اسی اثنا میں غنی کاشمیری کی روح پھر سرود و نشاط میں گم ہو کر نواگری کرتی ہے کہ رنگ و بو کی دنیا تو محض فریب نظر ہے، دولت و ثروت بھی ایک آنی جانی چیز ہے۔ دوام اگر کسی چیز کو حاصل ہے تو وہ انسانی کردار ہے اور اخلاقی رفعتیں ہیں۔ گریہ و ماتم کا حق بھی انہی اقدار کے زوال پر ہے، نہ کہ فانی نعمتوں کے سلب ہونے پر کوئی غم ہے۔ یہی روح بادِ صبا کا سہارا لے کر مسئلہ کشمیر کو انجمن

اقوام کی دہلیز تک پہنچاتی ہے اور اپنی فریاد میں یاد دلاتی ہے کہ ۱۶ مارچ ۱۸۴۶ء کو لارڈ ہارڈنگ نے کشمیر کے کھیت، باغات، نہریں اور دہقان بلکہ پوری قوم ۷۵ لاکھ نانک شاہی کے عوض گلاب سنگھ کے ہاتھ فروخت کر دی تھی۔ یہ انسانیت پر ایسا داغ تھا جس کی نظیر تاریخ میں نہیں ملتی۔ اقبال نے اسی ناانصافی کے خلاف غنی کی زبانی عالمی عدالت کے ایوانوں میں مقدمہ اٹھایا ہے۔

اقبال کے کلام سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ غنی کاشمیری ان کے نزدیک درویشی کی بلندی اور حریت فکر کا وہ درخشاں نمونہ تھے جنہوں نے اہل کشمیر کو یہ سبق دیا کہ انسان کی اصل بزرگی، عزت نفس اور آزاد زندگی میں ہے۔ اسی باوقار کردار کے باعث اقبال نے آزادی کی پوری روحانی داستان غنی جیسی صاحب درد انسان کی زبان سے بیان کی، تاکہ یہ حقیقت روشن رہے کہ برصغیر میں حریت کی شمع سے پہلے انھی پہاڑوں اور وادیوں سے آگ جلائی گئی، مگر وہ قوم صدیوں سے ظلم کا بہت برداشت کر چکی تھی اور پھر بھی آزادی کی تلاش میں سرگرداں ہے۔ غنی کے کلام کا بنیادی نقطہ بھی یہی تھا کہ ہماری زندگی مسلسل تپش اور جدوجہد کا نام ہے۔ ہم دوسروں کے لیے آسائش کے جامے تیار کرتے ہیں، مگر خود بے سروسامانی میں جیتے ہیں۔ اقبال بھی اسی قسم کی ترجمانی کرتے ہیں کہ خوش لباس دنیا لباس فاخرہ تو پہن لیتی ہے، مگر اس کے پیچھے محنت کرنے والوں کے جسم پھٹے ہوئے کپڑوں میں ڈھکے رہتے ہیں۔ یوں اقبال اور غنی کاشمیری دونوں کے ہاں امید زندگی کی تازہ ہوا اور انسان کی باطنی روشنی ایک مشترک صداقت بن کر ابھرتی ہے۔ کلیم اختر "اقبال اور مشاہیر کشمیر" میں لکھتے ہیں:

> "غنی کاشمیری کی اس درویشانہ زندگی، شانِ خودداری اور روحِ آزادی ہی کی بنا پر وہ اقبال کے ممدوح ہے۔ علامہ اقبال نے اپنے کلام میں غنی کی عظیم شخصیت، شاعرانہ فضیلت اور غیرت و حمیت کا جابجا ذکر کیا ہے۔"(۱۹)

غنی کاشمیری کی درویشی، خودداری اور آزادی کی تڑپ نے اقبال کو ان کا ممدوح بنایا ہے۔ اسی وجہ سے اقبال کی شاعری میں متعدد بار غنی کاشمیری کی شاعری کا ذکر موجود ہے۔ اقبال نے اس باوقار شخصیت کی زبانی آزادی کی خواہش اور حریت کی وہ داستان بیان کی ہے جو پورے برصغیر کے لیے پیغام بیداری بن گئی۔ وہ اس حقیقت کی طرف متوجہ کرتے ہیں کہ برصغیر کی آزادی کی بنیاد رکھنے والے کشمیری آج خود ظلم و جبر کے خلاف جدوجہد میں مصروف ہیں۔ غنی نے اپنی شاعری میں اس بات کا اظہار کیا ہے کہ ہم وہ لوگ ہیں جو دوسروں کے زخم سیتے ہیں، مگر خود بے لباس رہتے ہیں۔ اقبال نے بھی اپنے کلام میں اس بات کا اظہار کیا ہے کہ جس شخص نے پوری قوم کو ریشم کی قبائیں پہنائیں، اس کا اپنا لباس چاک در چاک ہے۔ اقبال کی غنی کاشمیری کے ساتھ عقیدت کا بنیادی سبب یہ ہے کہ اقبال امید زندگی اور روشنی کے شاعر ہیں، اور یہی اوصاف غنی کاشمیری کے کلام میں جابجا ملتے ہیں۔

5. محمد دین فوق (۱۹۴۵تا۱۸۷۳ء):

پنجہ فولاد ایک اخبار ہے
جس سے سارا ہند واقفِ کار ہے
کون ہے اس بانکے پرچے کا مدیر
بات یہ بھی قابلِ اظہار ہے
نام ہے اس کا محمد دین فوق

عمر چھوٹی ہے مگر ہوشیار ہے۔(۲۰)

درج بالا اشعار علامہ اقبال نے منشی محمد دین فوق کے لیے ۱۹۰۱ء میں کہے تھے اور کشمیر گزٹ جون ۱۹۰۳ء کی اشاعت میں شائع ہوئے تھے۔ علامہ اقبال اور منشی محمد دین کی دوستی محض ایک اتفاق نہیں تھی بلکہ یہ رشتہ محبت، دو ایسے دلوں کا امتزاج تھا جس کی سرشت ہی خلوص اور شفافیت سے گندھی ہوئی تھی۔ دونوں کا خمیر کشمیر کی پاکیزہ فضاؤں سے اٹھ کر پنجاب کی زرخیز زمین میں ابھرا تھا۔ فطرت نے دونوں کو حساس دل اور شاعری کا بے ساختہ ذوق عطا کیا تھا۔ اسی ذوق نے اس زمانے کے قادر الکلام استاد فصیح الملک مرزا داغ دہلوی کی خدمت میں جا پہنچایا، جس سے انھوں نے زبان، اسلوب اور فن غزل کا بے مثل نکھار حاصل کیا تھا۔ لاہور نے انہیں رفاقت اور پختگی بخشی۔ کلیم اختر "مشاہیر کشمیر" میں لکھتے ہیں: "علامہ اقبال نے اپنی زندگی میں سید نذیر نیازی کے بعد اگر کسی شخصیت کو سب سے زیادہ خطوط لکھے ہیں تو وہ مولانا محمد دین فوق مرحوم ہیں۔"(۲۱) مولانا محمد دین فوق ایک گہری علمی اور ادبی ہم آہنگی پر مبنی دوستی میں علامہ اقبال کے نزدیک عزت و وقار کے حامل تھے۔ دونوں کے تعلق کی واضح عکاسی اس بات میں ملتی ہے کہ فوق نے اقبال اور دیگر مشاہیر پر تحریریں اور تذکرے لکھے، اور اقبال نے بھی فوق کے ادبی کاموں کی قدر کی۔ اس باہمی احترام نے ان کی فکری رفاقت کو مضبوط کیا۔ ۲۳ جولائی ۱۹۱۵ء کے ایک خط میں اقبال لکھتے ہیں:

"ڈیئر فوق، آپ آج کل لاہور میں ہیں یا "امیرا کدل" میں؟ ایک دفعہ آپ نے کشمیر میگزین میں میرے حالات شائع کیے تھے، اگر اس نمبر کی کوئی کاپی آپ کے پاس رہ گئی ہو تو ارسال فرمائیں، واپس کر دی جائے گی۔ اگر آپ کے پاس نہ ہو تو کہیں سے منگوا دیجیے۔"(۲۲)

اقبال اور منشی محمد دین فوق کے دوستانہ مراسم عمر بھر قائم رہے۔ ان کے یہ مراسم کئی حوالوں سے رہے۔ اقبال کے انتقال کے روز وہ خود شدید بیمار تھے، بخار اتنا شدید تھا کہ چلنا پھرنا محال تھا، مگر اس عظیم رفیق کی جدائی نے انہیں سکون سے بیٹھنے نہ دیا۔ محمد عبد اللہ قریشی لکھتے ہیں:

"۲۱ اپریل ۱۹۳۸ء کو اقبال کی وفات کے دن بھی فوق صاحب بیمار تھے۔ ان کو سخت بخار تھا، اس لیے جاوید منزل تک نہ جا سکے، لیکن اسلامیہ کالج کے گراؤنڈ تک چلے گئے جہاں تمام لوگ جمع تھے، وہاں سے جنازے کے ہمراہ بادشاہی مسجد تک گئے، اور جب تک انہیں سپردِ خاک نہ کر دیا گیا، وہاں سے نہ ہلے۔"(۲۳)

اقبال اور غلام احمد مہجور کا رشتہ دراصل ایک مشترکہ فکری نصب العین کا اظہار ہے۔ اقبال نے آزادی، خود آگاہی اور قومی وقار کے جن تصورات کو اپنی شاعری کے ذریعے فکری سطح پر مرتب کیا، مہجور نے انہی تصورات کو کشمیری زبان میں عوامی احساس اور فکری شعور میں ڈالا۔ یہ اثر پذیری تقلیدی نہیں بلکہ تخلیقی ہم رنگی تھی، جس میں اقبال کا تخلیقی شعور مقامی تجربے سے جڑ کر معنویت اختیار کر گیا۔ اقبال اور مہجور کے ہاں کشمیر کی محکومی، انسانی تحقیر اور سماجی جمود دونوں کے ہاں مرکزی دکھ بن کر ابھرتا ہے۔ اقبال نے اسی مفہوم کو علامتی اور فکری سطح پر پیش کیا ہے، جبکہ مہجور نے اسے براہِ راست کشمیری عوام کی آواز بنا دیا۔ اسی لیے مہجور کی شاعری میں اقبال کی بازگشت محض حوالہ نہیں بلکہ ایک زندہ محرک کے طور پر موجود ہے، جو قوم کو بیدار کرنے اور حرکت میں لانے کا جذبہ پیدا کرتی ہے۔ اقبال نے آزادی کا شعور پیدا کیا اور مہجور نے اس شعور کو زبان، لہجے اور عوامی تجربے کے ذریعے وادی کشمیر میں رائج کیا۔ ایک نے فکر کی بنیاد رکھی، دوسرے نے اس فکر کو اجتماعی احساس میں تبدیل کیا، اور یہی ان دونوں کے تعلق کا حقیقی حاصل ہے۔

ISSN:3007-3324 (P) Tashkeel-e-Jadeed Volume:3, Issue:2, January to June 2026
ISSN-3007-3316 (E) Email: tashkeele.jadeed@aiou.edu.pk

## حواشی وحوالہ جات

۱۔ اقبال، "کلیات اقبال، فارسی" اشاعت سوئم، (لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز پبلشرز، ۱۹۷۸ء)، ص: ۴۶۷

۲۔ اختر، کلیم، "اقبال اور مشاہیر کشمیر"، (لاہور: اقبال اکیڈمی پاکستان، ۱۹۷۷ء)، ص: ۳۱

۳۔ ایضاً ص: ۱۴

۴۔ علی ہمدانی، سید، امیر کبیر، "ذخیرۃ الملوک"، (لاہور: جہانگیر نوریہ رضویہ پبلیکیشنز، نومبر ۲۰۰۷ء)، ص: ۱۳

۵۔ سلطان قطب الدین کا سال وفات ۱۳۹۴ عیسوی، یعنی ۱۲۴ سال تک یہ کلاہ اس خاندان میں محفوظ رہی۔

۶۔ اقبال، کلیات اقبال، فارسی، ص: ۷۵۲

۷۔ آزاد، عبد الاحد، "کشمیری زبان اور شاعری"، جلد دوم، (سری نگر: جموں و کشمیر اکیڈمی کلچر اینڈ لینگویجز، س، ن)، ص: ۱۴۱

۸۔ اختر، کلیم، "اقبال اور مشاہیر کشمیر"، ص: ۴۷

۹۔ آزاد، عبد الاحد، "کشمیری زبان اور شاعری"، ص: ۱۵۱

۱۰۔ برنی، سید مظفر حسین، "کلیات مکاتیب اقبال"، جلد دوم، (دہلی: اردو اکیڈمی، ۱۹۱)، ص: ۶۰۷

۱۱۔ اقبال، "کلیات اقبال، اردو"، ص: ۶۸

۱۲۔ اقبال، "کلیات اقبال، فارسی"، ص: ۷۵۰

۱۳۔ ظہور الحسن، قاضی، "نگارستان کشمیر"، (سری نگر: رہبر پبلشنگ ہاؤس، س۔ن)، ص: ۱۵۶

۱۴۔ اقبال، "کلیات اقبال، فارسی"، ص: ۳۰۷

۱۵۔ اقبال، "کلیات اقبال فارسی" ص: ۲۸۵

۱۶۔ صابری، عنصر، "تاریخ کشمیر"، (کراچی: پروگیسو پبلی کیشنز، ۱۹۹۱ء) ص: ۷۷

۱۷۔ آفاقی، صابر، "اقبال اور کشمیر"، (لاہور: اقبال اکادمی، ۱۹۷۷ء) ص: ۱۶۹

۱۸۔ اقبال، کلیات اقبال، فارسی، ص:۷۵۰

۱۹۔ اختر، کلیم، "اقبال اور مشاہیر کشمیر"، ص:۹۳

۲۰۔ قریشی، محمد عبداللہ، "حیات اقبال کی گمشدہ کڑیاں"، (لاہور: بزم اقبال، ۱۹۸۲ء) ص:۱۸۱

۲۱۔ اختر، کلیم، "اقبال اور مشاہیر کشمیر"، ص:۱۴۰

۲۲۔ برنی، سید مظفر حسین، "کلیات مکاتیب اقبال"، جلد اول، (دہلی: اردو اکادمی، ۱۹۸۹ء) ص:۳۹۰

۲۳۔ قریشی، محمد عبداللہ، "حیات اقبال کی گمشدہ کڑیاں"، ص:۱۸۱

## Notes and References:

1. Iqbal, "Kaliyat Iqbal, Persian" Third Edition, (Lahore: Sheikh Ghulam Ali and Sons Publishers, 1978), p. 746

2. Akhtar, Kaleem, "Iqbal and the Famous People of Kashmir", (Lahore: Iqbal Academy Pakistan, 1977), p. 31

3. Ibid p. 14

4. Ali Hamdani, Syed, Amir Kabir, "Dakhiratul-Muluk", (Lahore: Jahangir Nooriya Rizvia Publications, November 2007), p. 13

5. The kalash remained in the family for 124 years, i.e., the year of Sultan Qutbuddin's death.

6. Iqbal, Kalliyat Iqbal, Persian, p. 752

7. Azad, Abdul Ahad, "Kashmiri Language and Poetry", Vol. 2, (Srinagar: Jammu and Kashmir Academy Culture and Languages, S.N.), p. 141

8. Akhtar, Kaleem, "Iqbal and the Famous Kashmiri", p. 27

9. Azad, Abdul Ahad, "Kashmiri Language and Poetry", p. 151

10. Burney, Syed Muzaffar Hussain, "Collections of Iqbal's Books", vol. 2, (Delhi: Urdu Academy, 191), p. 607

11. Iqbal, "Collections of Iqbal, Urdu", p. 68

12. Iqbal, "Collections of Iqbal, Persian", p. 750

13. Zahoor-ul-Hasan, Qazi, "Nigaristan Kashmir", (Srinagar: Rahbar Publishing House, S.N.), p. 156

14. Iqbal, "Collections of Iqbal, Persian", p. 307

15. Iqbal, "Collections of Iqbal, Persian" p. 285

16. Sabri, Ansar, "History of Kashmir", (Karachi: Progressive Publications, 1991) p. 77

17. Afaqi, Sabir, "Iqbal and Kashmir", (Lahore: Iqbal Academy, 1977) p. 169

18. Iqbal, Kalyat Iqbal, Persian, p. 750

19. Akhtar, Kaleem, "Qabal and Famous Kashmiri", p. 63

20. Qureshi, Muhammad Abdullah, "Missing Links of Hayat Iqbal", (Lahore: Bazm-e-Iqbal, 1982) p. 181

21. Akhtar, Kaleem, "Iqbal and Famous Kashmiri", p. 120

22. Burney, Syed Muzaffar Hussain, "Kalyat Makateeb Iqbal", Vol. 1, (Delhi: Urdu Academy, 1989) p. 390

23. Qureshi, Muhammad Abdullah, "Missing Links of Hayat Iqbal", p. 181